اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ — کیا نہیں دیکھتے کہ ہر سال وہ ایک بار یا دو بار
مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ (۱۲۵/۹) — فتنے میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر بھی باز نہیں آتے۔

جب اللہ ہر سال ان کو ایک دو بار فتنہ میں ڈالتا ہے تو کیا زندگی میں دو بار عذاب نہیں دے سکتا۔ پھر کیسے ثابت ہوا کہ دوسرا عذاب برزخ میں ہوگا۔ اس قسم کی دلیلیں پیش کرنے سے جن کو خود اپنے نفس میں سوچکر انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان سے مدعا ثابت نہیں ہوتا محض بیکار دلائل کی تعداد بڑھاتا ہے اور کچھ نہیں۔ (۲۲)۔

جواب بحث

لہ۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مردہ پھر دنیا میں آسکتا ہے؟ اصل آیت پر تو غور کیجیے۔ مرنے والا دنیا میں واپس آنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ "ہرگز نہیں۔ اب واپسی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کے آگے برزخ ہے، اس دن تک کے لیے جب کہ سب مردے اٹھائے جائیں گے" کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ برزخ جس طرح مردے اور قیامت کے درمیان حائل ہے اسی طرح مردے اور دنیا کے درمیان بھی ہے؟ مگر غضب تو یہ ہے کہ آپ آیت کے الفاظ ہی پر نہیں، خود اپنے الفاظ پر بھی غور نہیں فرماتے۔ آپ خود فرما رہے ہیں کہ "برزخ کے دونوں حدود متعین کر دیے گئے ہیں کہ وہ مرنے والے کی موت سے لیکر حشر تک ہے"۔ اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ برزخ کی ابتدائی حد انسان کی دنیوی موت ہے اور آخری حد آخرت کی زندگی۔ جب آخری حد میت اور حیات اُخروی کے درمیان آڑ ہے تو ابتدائی حد میت اور حیات دنیوی کے درمیان آڑ کیسے نہ ہوگی؟

(۲) ہم بھی مانتے ہیں کہ قیامت کے دن سب کی یکجا حاضری ہوگی اور اس لیے ہوگی کہ سب کے اعمال کا حساب لے کر ان کا فیصلہ کیا جائے لیکن اس مجموعی حاضری کے ذکر سے یہ نتیجہ آپ نے کیسے نکال لیا کہ اس سے پہلے فرداً فرداً باوقات مختلفہ جو لوگ مرتے رہتے ہیں وہ خدا کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں؟ آپ نے اس نظریہ پر ایک بہت بڑی عمارت اٹھائی ہے لیکن قرآن اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا۔ اس کا بیان تو یہ ہے کہ ہر نفس اپنی مدت حیات ختم کر کے خدا کی طرف پلٹتا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا مرجع ہی نہیں ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (۲۹:۶) هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۱۰:۶) جو شخص مرتا ہے وہ خدا ہی کے پاس جاتا ہے کہیں اور نہیں جاتا موت بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدا نے جس جان کو جسم میں ڈالا تھا اسے وہ واپس لے لیتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (۳۹:۵) یہ جان جب جسم سے نکلتی ہے تو خدا ہی کے پاس جاتی ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (۳۲:۱) لہٰذا اس خیال کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ روحیں وفات پانے کے بعد اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھی جاتی ہیں۔

(۳) ایک ہی سطر اوپر جو کچھ آپ فرما چکے ہیں، یہ بات اس کے خلاف ہے جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ اور اس کی ہم معنی آیات کا اگر وہی مفہوم ہے جو آپ بیان فرما رہے ہیں، تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کسی کی بھی پیشی نہ ہو اس لیے کہ ان آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے، کلیت کے ساتھ کہا گیا ہے، اور اس کلی حکم میں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا ہے۔ پھر جب آپ کے اعتقاد کے مطابق یہ کلیہ بن گیا کہ پروردگار کے سامنے حاضری کا دن قیامت ہے اور اس سے پہلے حاضری نہیں ہو سکتی، تو قیامت سے پہلے شہداء کا عِنْدَ رَبِّهِمْ پہنچ جانا یقیناً اس کے خلاف ہوگا۔ اگر

فی الواقع اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا وہی مقصود ہوتا جو آپ نے اس کی طرف منسوب کیا ہے تو جہاں جہاں یہ کلی حکم بیان کیا گیا ہے وہاں اِلَّا الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یا کچھ اور کہہ کر شہدار کا استثنار ضرور کر دیا جاتا۔

(۴) "ان میں روحیں بھی پھونکی نہ گئی تھیں" یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ آپ نے میری جو عبارت خود نقل کی ہے اس کو پھر غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ کیا اس کا وہی مفہوم ہے جو آپ نے سمجھا ہے؟ میرا تو واضح مطلب یہ ہے کہ جب روحیں جسموں میں پھونکی نہ گئی تھیں اس وقت بھی وہ اس معنی میں مردہ نہ تھیں کہ ان میں سمع و نطق اور علم و شعور نہ تھا، بلکہ اس حالت میں انسان پر موت کا لفظ صرف اس معنی میں بولا گیا ہے کہ اس کی روح اس کے جسد سے علیحدہ تھی، روح بجائے خود زندہ ہے۔ اس میں کسی اور روح کے پھونکے جانے کی ضرورت نہیں۔ خود جسم میں بھی زندگی نفخ روح ہی سے ہوتی ہے۔ سمع و بصر، نطق و شعور دراصل روح کے اوصاف ہیں نہ کہ جسم کے جسمانی اعضار تو روح کے لیے محض آلات ہیں جن سے اس کے اوصاف کا ظہور ایک خاص طور پر ہوتا ہے۔ اگر یہ آلات نہ ہوں تب بھی روح ایک دوسرے طور پر دیکھ اور سن سکتی ہے، بول اور سمجھ سکتی ہے۔ دیکھنا، سننا، بولنا اور سمجھنا اگر صرف جسمانی کان، آنکھ، دماغ اور زبان پر منحصر ہو، اور ان کے بغیر یہ اوصاف کسی میں متحقق نہ ہو سکتے ہوں، تو آپ خدا کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ وہ آلات جسمانی رکھتا ہے؟ یا آلات کے بغیر ان اوصاف سے عاری ہے؟

(۵) قرآن مجید کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی گئی، اللہ نے ان کے اوپر خود انہی کو گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ ایک دوسرا سوال ہے کہ ذریت کے نکالے جانے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا سوال و جواب ہونے کی کیفیت کیا تھی۔ لیکن اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے اتنا صاف ظاہر ہوتا ہے

کہ کسی نہ کسی طور پر ذریت نکالی گئی، اور اس سے سوال و جواب ہوا۔ اگر بات صرف اتنی ہوتی کہ اللہ کی معرفت انسان کی سرشت میں رکھدی گئی ہے، تو اس مفہوم کو واضح طور پر ادا کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جاتے جن کا واضح مفہوم یہ نہیں ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے پاس معانی کو ادا کرنے کے لیے الفاظ کا اتنا ذخیرہ بھی نہیں جتنا خود آپ کے پاس ہے؟ یا آپ کا یہ خیال ہے کہ نعوذ باللہ حضرت حق کو کچھ پیچیدہ زبان ہی میں بات کرنے کی عادت ہے۔

(۶) بعید نہیں کہ سمٰوٰت وارض اور پہاڑوں میں بھی ایک طرح کی حیات ہو جس کا علم ہمکو نہ ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام بھی کرتا ہو جس کی کیفیت ہم سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ہمارا اور آپ کا علم اور اس کے ذرائع محدود ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود ہے۔ ہم جن چیزوں کو مردہ، اور نطق و گویائی سے بالکل عاری سمجھتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ حقیقت میں بھی ایسی ہی ہوں اور اگر وہ ایسی ہوں بھی تو اللہ ہر وقت ان کو سمع اور گویائی کی قوت بخش سکتا ہے۔ کان اور آنکھیں اور کھالیں جن کو آپ گویائی کے ناقابل پاتے ہیں، یہی ایک وقت انسان کے خلاف گواہی دیں گی، اور جب انسان اس پر تعجب کریگا تو وہ کہیں گی کہ اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ (ہم کو اس خدا نے گویا کر دیا ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا۔ (۴۱ : ۳)۔ زمین و آسمان کی اشیاء میں سے بہت سی چیزیں جن کے اندر آپ کے نزدیک حیات کا شائبہ تک نہیں، اللہ کی تسبیح کرتی ہیں، مگر آپ کے پاس وہ ذرائع نہیں جن سے آپ ان کی تسبیح سن اور سمجھ سکیں۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد میں تسبیح نہ کرتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ ۱۷ : ۵) اس مردہ زمین اور ان بے جان سمٰوٰت کے متعلق آپ یہ گمان کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے بھی کبھی خدا سے کلام کیا ہوگا۔ لیکن خدا ان سے کلام کر چکا ہے اور یہ اس کو جواب دے چکے ہیں۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ

دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (۴۱: ۲)
آپ ان سب کی تاویل کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے جس سچے اور کامل علم کے ساتھ کلام فرماتا ہے وہ علم ہم کو حاصل نہیں ہے، اور اپنے ناقص و محدود علم کی بنیاد پر ہم اس کے کلام کی جو تاویلات کرتے ہیں ان کی حقیقت اندھیرے میں نشانہ بازی کرنے سے کچھ بھی زیادہ نہیں
(۷) اس سے پہلے ملا میں اس بنیاد کو پھر مستحکم کیا جا چکا ہے، لہٰذا میرے چڑھائے ہوئے ردّے بدستور قائم ہیں۔

(۸) مُردہ کہہ رہا ہے کہ "پروردگار مجھ کو واپس کر دیجیے۔ امید ہے کہ میں جو کچھ چھوڑ چکا ہوں اس میں نیک عمل کروں گا" اللہ فرما رہا ہے کہ "ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ اب تیرے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب کہ سب مردے اٹھائے جائیں گے"۔ لیکن آپ فرما رہے ہیں کہ نہیں مردہ ابھی وہیں ہے، جہاں وہ واپس آنے کی استدعا کر رہا ہے، اور ابھی اس نے وہ چیز چھوڑی نہیں ہے جس میں وہ نیک عمل کرنے کی امید رکھتا ہے، اور ابھی وہ آڑ حائل نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں واپس کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ہم آپ کی بات مانیں یا اللہ کی اور اس شخص کی جس پر خود یہ کیفیت بیت رہی ہے؟

(۹) بلاشبہ بعض آیات کی آپ یہ تاویل بھی کر سکتے ہیں لیکن اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ کی یہ تاویل کرنا کہ یہ گفتگو قبض روح کا فعل پورا ہونے سے پہلے کی ہے تاویل کی حد سے گذر کر تحریف کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ لفظ تَوَفّٰىهُمْ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ قبض روح کا فعل پورا ہو چکا اور میت سے فرشتوں کی گفتگو اس کے بعد ہوئی۔

(۱۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کا انجام بیان کرتے ہوئے پہلے وہ انعامات بیان کیے ہیں جو دار آخرت میں ان پر ہونگے، پھر یہ بتایا ہے کہ ایسے لوگوں پر خدا کے انعامات اسی وقت سے

شروع ہو جاتے ہیں جب ان کی روحیں قبض کی جاتی ہیں، اور خدا کی طرف سے اس کے فرشتے اسی وقت ان کو سلامتی اور دخول جنت کا مژدہ سنا دیتے ہیں۔ تَتَوَفّٰهُمُ کے بعد ہی یقولون کہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبض روح کے ساتھ ہی ملائکہ یہ بات پرہیزگار لوگوں سے کہدیتے ہیں۔ اگر قبض روح کا فعل اس وقت ہو، اور ملائکہ کی یہ گفتگو قیامت کے وقت، تو اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے وہ انداز بیان نہیں ہو سکتا جو قرآن مجید میں اختیار کیا گیا ہے۔ غالباً یہاں آپ پھر اپنے اس نظریے سے کام لیں گے کہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں ہے، اور مردے کے لیے قبض روح کا فعل اور قیامت کے دن ملائکہ کی یہ گفتگو دونوں گویا ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں لیکن اس نظریے سے آپ میرے مقابلہ میں اس وقت تک کوئی کام نہیں لے سکتے جب تک آپ میرے اُن اعتراضات کو رفع نہ کر دیں جو میں نے اس نظریے پر کیے ہیں۔ جو چیز میرے نزدیک مسلم ہی نہیں ہے اس سے آپ میرے مقابلہ میں استدلال کیسے کر سکتے ہیں؟

(۱۱) جو لوگ قرآن فہمی کے اصول سے واقف ہیں وہ قیامت کے حال کو قیامت کا حال اور برزخ کے حال کو برزخ کا حال سمجھتے ہیں۔ قرآن کے صاف و صریح بیان کے باوجود برزخ کے حال کو قیامت کا حال سمجھنا قرآن فہمی نہیں ہے۔

(۱۲) اس آیت کی بھی وہی تاویل ہے جو نمبر ۱۰ میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں ظالمین کے عذاب آخرت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ عذاب ان پر قبض روح کے وقت ہی سے شروع ہو جائیگا وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۸: ۷) اور وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۶: ۱۱) سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے کہ ظالمین پر قبض روح کے وقت ہی سے سختیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) مقتولین فی سبیل اللہ کے حق میں موت کی نفی اور حیات کے اثبات کی اصل غرض میں بیان کر چکا ہوں۔ مشرکین کے معبودوں کے حق میں حیات کی نفی اور موت کے اثبات کی غرض بھی ظاہر ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تم قادر مطلق خدا کو چھوڑ کر ان بے چاروں کو کیا پکارتے ہو جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ ان کو اموات غیر احیاء کہنے کی غرض صرف ان کی بے چارگی اور عدم قدرت پر زور دینا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر وہ زندہ بھی ہوں تب بھی ان میں نہ کسی شئے کو خلق کرنے کی قدرت ہو سکتی ہے اور نہ ان کے پاس یوم البعث کا علم ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی آیات سے آپ شہداء اور غیر شہداء کی موت و حیات کے درمیان کوئی اصولی فرق ثابت نہیں کر سکتے۔ شہداء کو زندہ کہنے کا مطلب اگر آپ یہ لیتے ہیں کہ عرف عام میں جس کو موت کہتے ہیں وہ ان پر طاری نہیں ہوتی تو ان کو دفن کرنا، اور ان کا ترکہ تقسیم کرنا اور اُن کی بیویوں کا نکاح ثانی کرنا سب کچھ ناجائز ہوگا۔ لیکن اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ جسمانی موت ان پر طاری ہوتی ہے، اور جس زندگی کا ان کے لیے اثبات کیا گیا ہے، وہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی زندگی ہے، تو آپ نے گویا یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید میں موت کا لفظ اس چیز کا مترادف نہیں ہے جس کو آپ مطلق ممات کہتے ہیں، اور جسمانی حیات کے سوا بھی کسی زندگی کو قرآن لفظ حیات سے تعبیر کرتا ہے۔ برزخ میں تمام مردوں کے لیے جو زندگی ہم ثابت کر رہے ہیں وہ یہی زندگی ہے، اور آپ قرآن مجید سے کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے جو اہل برزخ کے حق میں اس زندگی کی نفی کرتی ہو۔

(۱۴) قرآن کے انکار سے تو ہم ضرور لرزتے ہیں، مگر کسی انسان کے مزعومات سے انکار کرنے میں ہم کو لرزنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ آپ جو آیتیں اس وقت پیش فرما رہے ہیں اور جو اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کرتی ہیں کہ اہل برزخ دنیا والوں کی باتیں نہ سُن سکتے ہیں نہ ان کو جواب دے سکتے ہیں، اور نہ ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اس کے

بعد یہ آپکا اپنا اضافہ ہے کہ اہل برزخ جب دنیا والوں سے بات چیت نہیں کر سکتے اور ان کے حالات کا علم نہیں رکھتے تو ان میں سرے سے بولنے اور سننے اور علم رکھنے کی قوت ہی نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اس اضافے پر ہم کو ایمان لانے کی دعوت دیں، آپ کو قرآن سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ اہل برزخ فی انفسہم سننے اور بولنے اور علم رکھنے کی قوتوں سے محروم ہیں۔ ورنہ جس طریقے سے آپ استدلال کر رہے ہیں، اس کی پیروی کرکے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ دہلی کی ساری آبادی مطلق عالم ممات میں ہے، کیونکہ وہ نہ حیدرآباد والوں کی باتیں سن سکتی ہے، نہ ان کو جواب دے سکتی ہے، نہ اُن کے احوال کا علم رکھتی ہے۔

۱۵ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ شہیدوں کے حق میں عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ کی جو تخصیص آپنے کر دی ہے اس کو یہ دونوں آیتیں تمام ان لوگوں کے حق میں عام کر رہی ہیں جو خدا کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں تیا دین کی خدمت کرتے ہوئے وفات پاتے ہیں۔ جن آیات میں صرف مقتولین فی سبیل اللہ کے مدارج کا ذکر ہے ان میں یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ یہ مدارج انہیں کے لیے مخصوص ہیں، کسی دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ لیکن جب وہاں اس کی نفی نہیں ہے اور یہاں مقتولین اور غیر مقتولین دونوں کے مدارج کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تو ظاہر ہو گیا کہ خدا کے پاس حاضر ہونے، اور پسندیدہ منازل میں داخل کیے جانے اور عمدہ رزق پانے میں ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا تقدم و تاخر نہیں ہے۔ تقدم و تاخر کا حکم آپ نے صرف اس بنا پر نکال لیا ہے کہ ایک گروہ کو اموات کہا گیا ہے اور دوسرے کو احیاء۔ لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جسمانی موت کے اعتبار سے دونوں اموات ہیں۔ اور روحانی حیات کے اعتبار سے دونوں احیاء۔ البتہ ایک بڑی مصلحت سے مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور ان کی حیات روحانی کا اثبات کیا گیا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ حیات روحانی صرف شہداء کے لیے مخصوص ہے، اور ان کے سوا تمام انبیاء و صدیقین و صالحین

اس زندگی سے بالکل محروم ہیں۔

(۱۶) آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اس سے قیامت کے روز ایسا کہا جائے گا، اور اسی روز وہ مسرور بھی ہوگا؟ آپ برزخ کا غیر زمانی ہونا تو ثابت کر ہی چکے ہیں۔ اور حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اور اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا میں ماضی کو مستقبل کا ہم معنی بھی قرار دے چکے ہیں۔ ان مراحل کو طے کر لینے کے بعد تو آپ کے لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ اس مردِ صالح کو شہید قرار دینے کے لیے اتنا تکلف کرتے۔

(۱۷) عربیت کے لحاظ سے علّیین کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد منازلِ عالیہ ہیں یا ان منازل کے رہنے والے، مگر موخر الذکر معنی زیادہ صحیح ہیں۔ اس لیے کہ یہ جمع ناطقین کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علیین کو کتاب مرقوم فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ علیین وہ دفتر ہے جس میں نیک لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح سجین کے بھی لغت میں دو معنی ہیں۔ قید خانہ یا قیدی۔ کتاب کو سجین کہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی کتاب ہے جس میں قیدیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات عربیت کے لحاظ سے آپ کو کیوں عجیب معلوم ہوئی؟ رہا یہ سوال کہ نام درج ہونے کے ساتھ ابرار و فجار کی روحیں بھی علیین و سجین میں داخل ہو جاتی ہیں، تو اس کا ثبوت قرآن میں موجود ہے حضرت ادریس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۱۹: ۴۷)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ادریس کا صرف نام ہی علیین میں نہیں لکھا گیا بلکہ ان کو ایک مقام بلند دے بھی دیا گیا۔ اسی طرح فجار و ظالمین کے متعلق بھی متعدد آیات نقل کی جا چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان منازل میں داخل ہو چکے ہیں جہاں ان کو عذاب دیا جاتا ہے اس مضمون کو سمجھانے کے لیے جو تمثیل دی گئی تھی وہ استدلال کے طور پر نہ تھی بلکہ محض تفہیم کی غرض سے تھی۔

(۱۸) اس کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون "برزخ کا ایک گوشہ" میں جو بحث فرمائی تھی، اس کو دیکھ کر مجھے امید تھی کہ آپ مطمئن ہو جائینگے لیکن اس کے جواب میں آپ نے اپنے مضمون "گوشۂ برزخ" میں جو کچھ فرمایا ہے اُسے دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ جب انسان "ایک خاص خیال لیکر قرآن میں گھستا ہے" تو وہ آیات میں کیسے کیسے تصرفات کرتا ہے۔ آیت زیر بحث میں صاف طور پر پہلے سوء العذاب کا اور پھر اشد العذاب کا ذکر ہے، اور سوء العذاب کا حال بیان کرنے کے بعد قیام ساعت اور اشد عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ سب کچھ قیامت ہی کا حال ہوتا اور ایک ہی عذاب کے متعلق ہوتا تو جو الفاظ آیت میں وارد ہوئے ہیں وہ بالکل خلاف بلاغت ہوتے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ یہ نظریات قائم کر چکے ہیں کہ اہل برزخ میں حیات نہیں ہے، اور ان میں زمانہ کا احساس نہیں اور وہ کسی قسم کے عذاب یا ثواب سے اثر پذیری کی صلاحیت نہیں رکھتے اب جو آیت بھی آپ کے سامنے ایسی پیش کی جائے گی جو آپ کے ان نظریات کا ابطال کرنے والی ہو، اس کو دیکھ کر آپ اپنے نظریات میں ترمیم نہ کریں گے، بلکہ آیت کے صاف مفہوم کو ان نظریات ہی کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے۔

(۱۹) دلائل کا یہ جواب تو کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ آپ کے نظریات پر میرا اصلی اعتراض تو یہی ہے کہ ان کی تائید میں آپ نے قرآن مجید کی تصریحات پیش نہیں کیں، اور جو آیات پیش کی ہیں وہ آپ کے نظریات ثابت نہیں کرتیں۔ برعکس اس کے میں نے خود قرآن ہی کی آیات پیش کر کے آپ کے ان نظریات کا ابطال کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ میرے جواب میں یہ آیت پڑھینگے تو مجھ کو بھی یہ آیت پڑھنی پڑے گی کہ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ۔ (۲: ۹)۔

(۲۰) آپ نے میری پوری عبارت نقل نہیں کی میں نے اس فقرے کے بعد یہ لکھا تھا کہ "ان میں دنیا

آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر اسی طرح ایک واقعہ کے طور پر کیا گیا ہے جس طرح بعض دوسری آیات میں برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا ذکر بطور واقعہ آیا ہے۔" اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جن آیات میں صرف دنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر ہے ان سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ دنیا و آخرت کے سوا کسی جگہ عذاب و ثواب نہیں ہے، اس لیے کہ ان آیتوں میں کہیں اس امر کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ عذاب و ثواب صرف دنیا و آخرت ہی میں ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں نہیں ہے۔ رہے وہ "قرآنی دلائل" جن سے آپ نے برزخ کی روحانی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا عدم امکان ثابت کیا ہے، تو ان دلائل کا قرآنی دلائل ہی ہونا ہمارے اور آپ کے درمیان زیر بحث ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ ہمارے اعتراضات رفع کر کے ان کا قرآنی دلائل ہونا ثابت کرتے، آپ اپنے دعوے ہی کو دلیل میں پیش فرما رہے ہیں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اصطلاح منطق میں اس طرز استدلال کو کیا کہتے ہیں۔

(۲) شہداء کے مسئلہ میں آپ کے مسلک پر جو اشکال وارد ہوتا ہے اس کو آپ بے محل کہہ کر گریز کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ نہ صرف برمحل بلکہ آپ کے خلاف ایک قوی اعتراض ہے۔ قرآن میں ایک طرف تمام مردوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور اسی روز ان کے اعمال کا فیصلہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ بھی تمام مردوں کے متعلق کہا ہے کہ یوم البعث تک وہ برزخ میں ہیں۔ جہاں جہاں یہ دونوں باتیں کہی گئی ہیں وہاں کسی کے استثناء کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام مرنے والوں کی طرح شہداء بھی قیامت تک برزخ میں ہیں، اور قیامت سے پہلے ان کے لیے کوئی جداگانہ بعث نہیں ہے۔ اب جو قرآن کہتا ہے کہ وہ رب کی حضوری میں ہیں، اور ان کو رزق ملتا ہے تو لامحالہ یہ حضوری اور رزق اسی برزخ میں ہوگا۔ اس سے آپ کے تمام نظریے باطل ہو جاتے ہیں، یعنی اہل برزخ کا بالکل مردہ ہونا، رب کی حضوری سے آڑ میں رہنا اور عذاب و ثواب دونوں سے محفوظ اور محروم رہنا۔

(۲۲) جس طرح دلیل پیش کرنے سے پہلے خود اپنے نفس میں سوچ لینا ضروری ہے اسی طرح دلیل کا رد کرنے سے پہلے بھی انسان کو اپنے نفس میں سوچ لینا چاہیے۔ آپ نے جواب میں جو آیت پیش کی ہے۔ اس کے مضمون پر اگر آپ غور کر لیتے تو آپ کو خود معلوم ہو جاتا کہ اس سے آپکا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے میں ڈالے جاتے ہیں اب اگر سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ میں عذاب سے مراد یہی فتنہ میں ڈالنا ہے تو صرف مَرَّتَيْنِ (دوبارہ کی قید لگانے کے کیا معنی؟ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جن کے حق میں سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کہا گیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ایک سال زندہ رہتے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں جس چیز کو عذاب کہا گیا ہے وہ بعینہ وہ چیز نہیں ہے جسے دوسری آیۃ میں فتنہ کہا گیا ہے۔ بلکہ دراصل زندگی کے تمام فتنوں کا مجموعہ ایک مرتبہ کا عذاب ہے۔ اس سے متصل (اور اتصال پر حرف س دلالت کرتا ہے) دوسرا عذاب برزخ کا ہے، اور اس کے بعد عذاب عظیم سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔

فضل فونٹن پن

سینیر ۶-۷ جونیر ۱-۱۰

نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت پائدار قیمت واجبی علاوہ اس کے سامان اسٹیشنری وکاغذ وغیرہ خط وکتابت سے طلب فرمائیے

فدا علی محمد علی تاجر کاغذ پتھر گٹی حیدرآباد دکن